ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1916

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: عہدِ جدید میں اسلامی ادارے (1916)

سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ نمبر 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

USMAN NOTES www.usmannotes.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کی متعلقہ اکائیوں کا مطالعہ کریں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر 1: امتِ مسلمہ کی معاشی زبوں حالی کے اسباب اور اس سے نکلنے کے اقدامات (20 نمبر)

سوال نمبر 1: امتِ مسلمہ کی معاشی زبوں حالی کے اسباب اور اس سے نکلنے کے لیے اقدامات تحریر کریں۔

تعارف

امتِ مسلمہ آج دنیا کی آبادی کا تقریباً چوتھائی حصہ ہے، اس کے پاس دنیا کے تیل اور گیس کے ذخائر کا بڑا حصہ، زرخیز زمینیں، اہم تجارتی شاہراہیں اور نوجوان افرادی قوت موجود ہے، اس کے باوجود مسلم ممالک کی مجموعی معاشی حالت افسوس ناک ہے۔ دنیا کے غریب ترین ممالک کی فہرست میں کئی مسلم ممالک شامل ہیں، بیشتر مسلم ممالک خام مال برآمد کرنے اور تیار شدہ اشیا درآمد کرنے پر مجبور ہیں، ان کی باہمی تجارت نہایت کم ہے اور وہ عالمی مالیاتی اداروں کے قرضوں تلے دبے ہوئے ہیں۔ یہ زبوں حالی کسی ایک سبب کا نتیجہ نہیں بلکہ سیاسی، تعلیمی، سماجی، اخلاقی اور ادارہ جاتی اسباب کے مجموعے کا نتیجہ ہے۔ اس جواب میں پہلے ان اسباب کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر قرآن و سنت کی رہنمائی اور جدید معاشی تجربات کی روشنی میں اس حالت سے نکلنے کے عملی اقدامات پیش کیے جائیں گے۔

سیاسی انتشار اور استعمار کا ورثہ

معاشی زبوں حالی کا پہلا بڑا سبب سیاسی انتشار ہے۔ خلافت کے خاتمے کے بعد امت درجنوں چھوٹی بڑی ریاستوں میں بٹ گئی، جن میں سے بیشتر کے درمیان سرحدی تنازعات، باہمی عدم اعتماد اور بعض اوقات جنگیں رہی ہیں۔ استعماری طاقتوں نے مسلم علاقوں کو اس طرح تقسیم کیا کہ ان کی معیشتیں ایک دوسرے کی تکمیل کے بجائے استعماری مرکز کی خدمت کے لیے بنائی گئیں: کہیں سے صرف خام تیل، کہیں سے صرف کپاس اور کہیں سے صرف مسالے برآمد ہوتے تھے، جب کہ صنعت اور ٹیکنالوجی جان بوجھ کر مقامی آبادی سے دور رکھی گئی۔ آزادی کے بعد بھی بیشتر مسلم ممالک سیاسی استحکام حاصل نہ کر سکے۔ بار بار کی حکومتی تبدیلیاں، فوجی مداخلتیں، خانہ جنگیاں اور دہشت گردی نے سرمایہ کاری کا ماحول تباہ کر دیا، کیوں کہ سرمایہ ہمیشہ امن اور پالیسی کے تسلسل کو تلاش کرتا ہے۔ جب پالیسیاں ہر چند سال بعد بدل جائیں اور قانون کی حکمرانی کمزور ہو تو نہ مقامی سرمایہ کار فیکٹری لگاتا ہے اور نہ غیر ملکی سرمایہ آتا ہے۔

اسلامی معاشی اصولوں سے دوری

دوسرا بنیادی سبب خود اسلامی معاشی نظام سے عملی دوری ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ، صدقات اور وقف کے ذریعے دولت کی گردش اور کمزور طبقات کی کفالت کا مضبوط نظام دیا تھا، مگر آج بیشتر مسلم ممالک میں زکوٰۃ کا ادارہ یا تو موجود ہی نہیں یا غیر منظم ہے، اور وقف کی عظیم روایت جمود کا شکار ہو چکی ہے، حالانکہ تاریخ میں اوقاف نے مدارس، اسپتال، سڑکیں اور فلاحی ادارے چلائے۔ اس کے برعکس سودی نظام پوری طرح رائج ہے، جس سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹتی ہے، مہنگائی اور قرضوں کا بوجھ بڑھتا ہے اور پیداواری سرمایہ کاری کے بجائے قیاسی کاروبار پروان چڑھتا ہے۔ اسراف، نمود و نمائش، کرپشن، ذخیرہ اندوزی اور ناپ تول میں کمی جیسی اخلاقی بیماریاں، جن کی اسلام نے سختی سے ممانعت کی ہے، مسلم معاشروں میں عام ہو گئی ہیں۔ جب تاجر اور اہلکار ایمان داری چھوڑ دیں تو معیشت کے ادارے اندر سے کھوکھلے ہو جاتے ہیں، ٹیکس چوری عام ہوتی ہے، ریاست آمدن سے محروم رہتی ہے اور عوامی خدمات کا معیار گر جاتا ہے۔

تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی میں پسماندگی

تیسرا بڑا سبب تعلیمی اور سائنسی پسماندگی ہے۔ وہ امت جس نے صدیوں تک الجبرا، طب، فلکیات اور فلسفے میں دنیا کی قیادت کی، آج تحقیق پر اپنی مجموعی قومی پیداوار کا نہایت معمولی حصہ خرچ کرتی ہے۔ مسلم ممالک کی جامعات عالمی درجہ بندی میں پیچھے ہیں، سائنسی مضامین میں پی ایچ ڈی کرنے والوں کی تعداد کم ہے، اور ذہین نوجوان بہتر مستقبل کے لیے مغربی ممالک ہجرت کر جاتے ہیں، جسے ذہنی سرمائے کی نکاسی کہا جاتا ہے۔ تعلیم کا نظام بھی دو حصوں میں بٹا ہوا ہے: دینی مدارس جدید علوم سے اور جدید جامعات دینی اقدار سے بڑی حد تک دور ہیں، جس سے مکمل شخصیت اور متوازن قیادت تیار نہیں ہوتی۔ خواتین کی تعلیم اور معاشی شرکت میں کمی بھی ایک بڑا نقصان ہے، کیوں کہ آبادی کا نصف حصہ پیداواری عمل سے باہر رہے تو قومی آمدن کبھی بڑھ نہیں سکتی۔ تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی کمی کے باعث مسلم ممالک میں ہنر مند مزدور کم اور بے روزگار گریجویٹ زیادہ ہیں، جو سماجی بے چینی کو جنم دیتے ہیں۔

وسائل کے باوجود ناقص منصوبہ بندی اور انحصار

چوتھا سبب قدرتی وسائل کی ناقص منصوبہ بندی اور یک طرفہ انحصار ہے۔ کئی مسلم ممالک صرف تیل اور گیس کی آمدن پر منحصر ہیں؛ جب عالمی منڈی میں تیل کی قیمت گرتی ہے تو ان کی پوری معیشت لڑکھڑا جاتی ہے، اور جب قیمت بڑھتی ہے تو وہ دولت صنعت کاری اور انسانی ترقی کے بجائے درآمدی عیش و عشرت پر خرچ ہو جاتی ہے۔ زرعی ممالک اپنی پیداوار کو پراسیس کر کے قیمتی اشیا بنانے کے بجائے خام صورت میں سستے داموں بیچ دیتے ہیں اور پھر وہی اشیا مہنگے داموں واپس خریدتے ہیں۔ مسلم ممالک کی باہمی تجارت ان کی کل تجارت کا معمولی حصہ ہے؛ پاکستان، ترکی، ملائیشیا، انڈونیشیا اور خلیجی ممالک ایک دوسرے کی ضرورتیں بڑی حد تک پوری کر سکتے ہیں، مگر نقل و حمل کے روابط، ویزا اور محصولات کی رکاوٹوں نے اس امکان کو محدود رکھا ہے۔ بیرونی قرضوں اور امداد پر انحصار نے معاشی خود مختاری مزید کم کر دی ہے، کیوں کہ قرض دینے والے ادارے اپنی شرائط مسلط کرتے ہیں اور ملکی بجٹ کا بڑا حصہ سود کی ادائیگی میں چلا جاتا ہے۔

جدول: معاشی زبوں حالی کے اسباب کا خلاصہ

اہم اسباب	شعبہ
انتشار، عدم استحکام، جنگیں، کمزور قانون کی حکمرانی	سیاست
کرپشن، سود، زکوٰۃ و وقف کے نظام کی کمزوری، ٹیکس چوری	اخلاق و ادارے
سائنس و ٹیکنالوجی میں پسماندگی، ذہنی سرمائے کی نکاسی	تعلیم و تحقیق
خام مال پر انحصار، صنعت کاری کی کمی، کم باہمی تجارت، قرضے	معیشت

اس حالت سے نکلنے کے اقدامات: تعلیم اور انسانی ترقی

زبوں حالی سے نکلنے کا پہلا اور بنیادی قدم تعلیم میں انقلابی سرمایہ کاری ہے۔ مسلم ممالک کو اپنے بجٹ میں تعلیم اور تحقیق کا حصہ نمایاں طور پر بڑھانا ہو گا، جامعات کو عالمی معیار سے جوڑنا ہو گا اور سائنس، انجینئرنگ، طب، زراعت اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں اسکالرشپ کے دروازے کھولنے ہوں گے۔ ذہنی سرمائے کی نکاسی روکنے کے لیے محققین کو اپنے ملک میں سہولتیں اور عزت دینا ہو گی۔ خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ ناگزیر ہے، کیوں کہ پڑھی لکھی ماں ہی پڑھی لکھی نسل تیار کرتی ہے۔ دینی و دنیوی تعلیم کے درمیان خلیج ختم کر کے ایسا نصاب بنانا چاہیے جو طالب علم کو ایمان، اخلاق اور جدید مہارتوں سے آراستہ کرے۔ پیشہ ورانہ اور تکنیکی تربیت کو عام کرنے سے نوجوان صرف نوکری کے طلب گار نہیں بلکہ روزگار پیدا کرنے والے بن سکیں گے۔

اسلامی مالیاتی نظام کی بحالی اور اداروں کی اصلاح

دوسرا اقدام اسلامی معاشی اداروں کو جدید خطوط پر زندہ کرنا ہے۔ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا شفاف، کمپیوٹرائزڈ نظام بنایا جائے تو سربت میں خاطر خواہ کمی آ سکتی ہے۔ وقف کے قانون کو جدید بنا کر تعلیم، صحت اور تحقیق کے لیے وقف فنڈز قائم کیے جائیں۔ اسلامی بینکاری اور مالیاتی اداروں کو مضبوط کیا جائے تاکہ سود سے پاک سرمایہ کاری بڑھے اور چھوٹے کاروباروں کو قرضِ حسنہ اور مشارکہ و مضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ ملے۔ اس کے ساتھ حکمرانی کی اصلاح بنیادی شرط ہے: کرپشن کا خاتمہ، میرٹ کی بحالی، عدلیہ کی آزادی، ٹیکس کے نظام کی وسعت اور احتساب کے اداروں کی مضبوطی کے بغیر کوئی معاشی پروگرام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مسلم ممالک کو اپنے بجٹ خسارے کم کر کے بیرونی قرضوں سے بتدریج نجات حاصل کرنی چاہیے اور آمدن کے اندر رہنے کی عادت اپنانی چاہیے۔

باہمی تعاون، صنعت کاری اور تجارت کا فروغ

تیسرا اقدام امت کے اندر معاشی تعاون کو عملی شکل دینا ہے۔ او آئی سی اور اسلامی ترقیاتی بینک جیسے اداروں کو مزید فعال کر کے مسلم ممالک کے درمیان ترجیحی تجارت، مشترکہ سرمایہ کاری اور ٹیکنالوجی کی منتقلی کو بڑھایا جائے۔ مالدار مسلم ممالک کا سرمایہ اور غریب مسلم ممالک کی افرادی قوت و زرعی وسائل مل جائیں تو دونوں کو فائدہ ہو گا۔ ہر ملک کو

خام مال بیچنے کے بجائے اس سے تیار اشیا بنانے کی صنعت لگانی چاہیے، چھوٹی اور درمیانی صنعتوں کو سہولتیں دینی چاہئیں اور توانائی کے بحران کا حل مقامی وسائل اور قابلِ تجدید توانائی سے تلاش کرنا چاہیے۔ نوجوانوں کے لیے اسٹارٹ اپس، ڈیجیٹل معیشت اور برآمدی خدمات کے شعبے نئے مواقع فراہم کر سکتے ہیں۔ ان تمام اقدامات کی کامیابی کی بنیاد اتحاد اور باہمی اعتماد ہے؛ جب تک مسلم ممالک اپنے اختلافات بات چیت سے حل کر کے مشترکہ معاشی مفاد کو آگے نہیں بڑھائیں گے، انفرادی کوششیں بھی محدود رہیں گی۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کی معاشی زبوں حالی نہ وسائل کی کمی کا نتیجہ ہے اور نہ تقدیر کا لکھا، بلکہ سیاسی انتشار، اسلامی اصولوں سے دوری، تعلیمی پسماندگی، کرپشن اور ناقص منصوبہ بندی کا مجموعی نتیجہ ہے، اور یہ تمام اسباب انسانی کوشش سے دور کیے جا سکتے ہیں۔ قرآن مجید کا تعلیم ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔ اگر مسلم ممالک تعلیم و تحقیق میں سرمایہ کاری کریں، زکوٰۃ و وقف اور اسلامی مالیات کے ادارے بحال کریں، کرپشن ختم کر کے اچھی حکمرانی قائم کریں اور باہمی تجارت و تعاون کو فروغ دیں تو چند دہائیوں میں معاشی نقشہ بدل سکتا ہے۔ ترکی، ملائیشیا اور بعض خلیجی ریاستوں کے تجربات اس بات کی دلیل ہیں کہ جہاں قیادت نے سنجیدہ منصوبہ بندی کی، وہاں ترقی کی رفتار تیز ہوئی۔ اصل ضرورت اجتماعی ارادے، اخلاقی دیانت اور مستقل مزاجی کی ہے۔

سوال نمبر 2: او آئی سی کے ذیلی اداروں کا تفصیلی تذکرہ (20 نمبر)

سوال نمبر 2: او آئی سی کے ذیلی اداروں کا تفصیلی تذکرہ کریں۔

تعارف

تنظیمِ تعاونِ اسلامی، جسے او آئی سی کہا جاتا ہے، 1969ء میں مسجدِ اقصیٰ کو آگ لگانے کے سانحے کے بعد وجود میں آئی اور آج اقوامِ متحدہ کے بعد دنیا کی دوسری بڑی بین الحکومتی تنظیم ہے، جس کے رکن ممالک کی تعداد ستاون ہے۔ اتنی بڑی تنظیم صرف سربراہی اجلاسوں اور وزرائے خارجہ کی کونسل سے نہیں چل سکتی، اس لیے اس کے منشور

کے تحت مختلف شعبوں کے لیے ذیلی ادارے قائم کیے گئے ہیں، جنہیں ذیلی اعضاء، خصوصی ادارے اور منسلک ادارے جیسی درجہ بندیوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ ادارے معیشت، تعلیم، ثقافت، فقہ، تجارت، اعداد و شمار، امداد اور میڈیا سمیت زندگی کے اہم شعبوں میں امت کی خدمت کرتے ہیں۔ اس جواب میں ان ذیلی اداروں کا تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

اسلامی ترقیاتی بینک

او آئی سی کے ذیلی اداروں میں سب سے اہم اسلامی ترقیاتی بینک ہے، جس کا قیام 1975ء میں جدہ، سعودی عرب میں عمل میں آیا۔ یہ بینک رکن ممالک کی معاشی ترقی اور سماجی بہبود کے لیے شریعت کے مطابق مالی معاونت فراہم کرتا ہے۔ روایتی بینکوں سے اس کا فرق یہ ہے کہ یہ سود پر قرض نہیں دیتا بلکہ مرابحہ، اجارہ، استصناع، مشارکہ اور مضاربہ جیسے شرعی طریقوں سے منصوبوں کی مالی اعانت کرتا ہے۔ بینک نے سڑکوں، ڈیموں، اسپتالوں، جامعات، پانی و بجلی کے منصوبوں اور زرعی ترقی میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے۔ اس کے ذیلی شعبوں میں اسلامی کارپوریشن برائے نجی شعبے کی ترقی، بین الاقوامی اسلامی تجارتی مالیاتی کارپوریشن، اسلامی کارپوریشن برائے سرمایہ کاری و برآمدی قرضوں کی بیمہ کاری اور اسلامی تحقیقی و تربیتی ادارہ شامل ہیں۔ غریب رکن ممالک کے لیے بینک کی خصوصی توجہ، وقف فنڈ اور اسکالرشپ پروگرام اس کی نمایاں خدمات ہیں۔ اس بینک کی موجودگی نے ثابت کیا کہ جدید بینکاری اسلامی اصولوں کے ساتھ بھی کامیابی سے چلائی جا سکتی ہے۔

اسلامی تعلیمی، سائنسی و ثقافتی تنظیم (ایسکو)

تعلیم، سائنس اور ثقافت کے شعبے میں او آئی سی کا ذیلی ادارہ اسلامی تعلیمی، سائنسی و ثقافتی تنظیم ہے، جسے پہلے آئیسیسکو اور اب ایسکو کہا جاتا ہے، اور اس کا صدر دفتر مراکش کے شہر رباط میں ہے۔ یہ ادارہ رکن ممالک میں تعلیمی پالیسیوں کی اصلاح، نصاب کی تیاری، اساتذہ کی تربیت، خطاطی و عربی زبان کے فروغ، سائنسی تحقیق کے اشتراک اور اسلامی ثقافتی ورثے کے تحفظ کے لیے کام کرتا ہے۔ اسی طرح اسلامی جامعات بھی او آئی سی کے ذیلی تعلیمی اداروں میں شامل ہیں: نائیجر کی اسلامی یونیورسٹی اور یوگنڈا کی اسلامی یونیورسٹی افریقہ کے غریب مسلم طلبہ کو اعلیٰ تعلیم فراہم کرتی ہیں، جب کہ بنگلہ دیش میں اسلامی یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی انجینئرنگ اور تکنیکی تعلیم دے رہی ہے اور ملائیشیا کی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی دنیا بھر کے طلبہ کے لیے علمی مرکز ہے۔ یہ جامعات اس بات کی عملی مثال ہیں کہ امت اپنے کمزور خطوں میں علم کی روشنی پھیلانے کے لیے مشترکہ ادارے بنا سکتی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی

جدید مسائل میں امت کو اجتماعی شرعی رہنمائی دینے کے لیے 1981ء میں جدہ میں بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی قائم کی گئی۔ اس اکیڈمی میں تمام رکن ممالک کے جید فقہاء علما شریک ہوتے ہیں اور بینکاری، طب، جینیات، انشورنس، الیکٹرانک لین دین اور خاندانی مسائل سمیت نئے پیش آمدہ امور پر غور کے بعد اجتماعی قرار دادیں اور فتوے جاری کرتے ہیں۔ اکیڈمی کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے فیصلے کسی ایک مکتبِ فکر کے نہیں بلکہ امت کے اجتماعی اجتہاد کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس کی قرار دادیں اسلامی بینکاری اور طبّی اخلاقیات کے میدان میں دنیا بھر میں حوالے کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ اکیڈمی اپنا تحقیقی جریدہ بھی شائع کرتی ہے اور فقہی موضوعات پر کانفرنسیں منعقد کرتی ہے۔ اس ادارے نے جدید دور میں فقہ کو جمود سے نکال کر زندگی کے نئے مسائل سے جوڑنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

اسلامی یکجہتی فنڈ اور دیگر امدادی ادارے

اسلامی یکجہتی فنڈ 1974ء میں قائم ہوا، جس کا مقصد قدرتی آفات، جنگوں اور غربت سے متاثرہ مسلمانوں کی امداد، مساجد و مدارس کی تعمیر، یتیموں کی کفالت اور اسلامی دعوتی و تعلیمی سرگرمیوں کی مالی مدد ہے۔ یہ فنڈ وقف کی صورت میں بھی کام کرتا ہے تاکہ اس کی آمدن مستقل رہے۔ اسی سلسلے کا ایک اور ادارہ اسلامی کمیٹی برائے بین الاقوامی ہلال ہے جو لیبیا کے شہر بن غازی سے انسانی امداد اور بحالی کے کاموں میں حصہ لیتی ہے اور ہلالِ احمر کی طرز پر مسلم دنیا کا امدادی پلیٹ فارم بننے کی کوشش کرتی ہے۔ بیت مال القدس ایجنسی مراکش سے فلسطینی عوام، خصوصاً یروشلم کے مکینوں کی سماجی و معاشی مدد کے لیے کام کرتی ہے۔ یہ امدادی ادارے اگرچہ وسائل میں مغربی اداروں سے کم ہیں، مگر قدرتی آفات کے مواقع پر، جیسے زلزلے اور سیلاب، انہوں نے متاثرہ مسلم آبادیوں تک امداد پہنچائی ہے۔

تجارت، اعداد و شمار اور تحقیق کے ادارے

معاشی تعاون کے لیے او آئی سی نے کئی تکنیکی ادارے بھی قائم کیے ہیں۔ مراکش کے شہر دار البیضاء میں واقع اسلامی مرکز برائے تجارت کی ترقی رکن ممالک کے درمیان تجارت بڑھانے، تجارتی میلوں کے انعقاد اور تجارتی معلومات کی فراہمی کا کام کرتا ہے۔ انقرہ، ترکی میں قائم شماریاتی، معاشی و سماجی تحقیق و تربیتی مرکز، جسے سیسرک کہا جاتا ہے، رکن ممالک کے معاشی و سماجی اعداد و شمار جمع کرتا ہے، تحقیقی رپورٹیں شائع کرتا ہے اور اہلکاروں کو تربیت دیتا ہے؛ امت کی معاشی حالت پر اس کی سالانہ رپورٹیں پالیسی سازوں کے لیے اہم حوالہ ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری رکن ممالک کے تاجروں اور صنعت کاروں کو ایک پلیٹ فارم پر لاتا ہے۔ اسلامی تاریخ، فنون اور ثقافت کا تحقیقی مرکز استنبول میں اسلامی ورثے، مخطوطات اور فنون پر تحقیق کرتا ہے۔ اسلامی خوراک کے تحفظ کی تنظیم قازقستان سے رکن ممالک میں غذائی خود کفالت کے لیے کام کرتی ہے۔ میڈیا کے شعبے میں اسلامی ممالک کی خبر رساں ایجنسیوں کی یونین اور اسلامی نشریاتی یونین بھی او آئی سی سے منسلک ہیں، جن کا مقصد مسلم دنیا کی خبریں خود اپنی آواز میں دنیا تک پہنچانا ہے۔

جدول: او آئی سی کے اہم ذیلی ادارے ایک نظر میں

بنیادی کام	صدر مقام / شعبہ	ادارہ
شرعی بنیادوں پر ترقیاتی منصوبوں کی مالی اعانت	جدہ — مالیات	اسلامی ترقیاتی بینک
تعلیم، سائنس اور ثقافتی ورثے کا فروغ	رباط — تعلیم و ثقافت	ایسکو
جدید مسائل پر اجتماعی اجتہاد و قرار دادیں	جدہ — فقہ	اسلامی فقہ اکیڈمی
متاثرہ مسلمانوں کی امداد و فلاحی منصوبے	جدہ — امداد	اسلامی یکجہتی فنڈ
رکن ممالک کی باہمی تجارت کا فروغ	دار البیضاء — تجارت	اسلامی مرکز برائے تجارت
اعداد و شمار، تحقیق اور تربیت	انقرہ — تحقیق	سیسرک

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ او آئی سی محض قراردادیں پاس کرنے والی تنظیم نہیں بلکہ اس کے ذیلی اداروں کا ایک وسیع جال موجود ہے جو بینکاری سے فقہ تک، تعلیم سے تجارت تک اور امداد سے تحقیق تک ہر شعبے کو محیط ہے۔ اسلامی ترقیاتی بینک اور فقہ اکیڈمی جیسے اداروں نے عالمی سطح پر اپنی ساکھ بنائی ہے۔ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض ادارے وسائل کی کمی، رکن ممالک کے عدم تعاون اور فیصلوں پر عمل درآمد کی کمزوری کی وجہ سے اپنی پوری صلاحیت استعمال نہیں کر پا رہے۔ اگر رکن ممالک ان اداروں کو باقاعدہ فنڈنگ دیں، ان کی سفارشات کو قومی پالیسیوں میں جگہ دیں اور سیاسی اختلافات کو ان کے کام میں حائل نہ ہونے دیں تو یہی ادارے امت کی اجتماعی ترقی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ طلبہ کے لیے ان اداروں کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ جدید دور میں امت کے مسائل انفرادی نہیں، ادارہ جاتی حل مانگتے ہیں۔

سوال نمبر 3: رابطہ عالمِ اسلامی / مسلم ورلڈ لیگ کا تاریخی پس منظر اور اس کے مختلف بورڈز (20 نمبر)

سوال نمبر 3: رابطہ عالمِ اسلامی / مسلم ورلڈ لیگ کا تاریخی پس منظر اور اس کے مختلف بورڈز کے بارے میں تفصیل لکھیں۔

تعارف

رابطہ عالمِ اسلامی، جسے انگریزی میں مسلم ورلڈ لیگ کہا جاتا ہے، عصرِ حاضر کی قدیم ترین اور موثر ترین غیر سرکاری مسلم تنظیموں میں سے ایک ہے۔ یہ تنظیم کسی ایک حکومت کی نمائندہ نہیں بلکہ دنیا بھر کے علما، مفکرین اور مسلم اقلیتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتی ہے۔ اس کا صدر دفتر مکہ مکرمہ میں ہے، جو اس کے عالمی کردار کو روحانی مرکزیت عطا کرتا ہے۔ رابطہ نے دعوت و تبلیغ، مساجد و مدارس کی خدمت، مسلم اقلیتوں کے مسائل، بین المذاہب مکالمے اور انسانی امداد کے شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اس جواب میں پہلے اس کے قیام کا تاریخی پس منظر بیان کیا جائے گا اور پھر اس کے مختلف بورڈز، یعنی مجالس اور ذیلی کونسلوں، کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

تاریخی پس منظر: قیام کے اسباب و محرکات

بیسویں صدی کے وسط میں مسلم دنیا کئی فکری اور سیاسی چیلنجوں سے دوچار تھی۔ استعمار سے آزادی کے بعد نئی قومی ریاستیں بن چکی تھیں، مگر امت کا کوئی اجتماعی فکری پلیٹ فارم موجود نہیں تھا۔ کمیونزم اور الحاد کی تحریکیں نوجوانوں کو متاثر کر رہی تھیں، مغربی ثقافتی یلغار تیز تھی، اور یورپ و امریکا میں مقیم مسلم اقلیتوں کو مساجد، مدارس اور شرعی رہنمائی کی شدید ضرورت تھی۔ حج کے موقع پر دنیا بھر کے علما مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے تھے، اسی اجتماع کو ادارہ جاتی شکل دینے کا خیال کئی اہلِ علم کے ذہنوں میں تھا۔ اسی پس منظر میں 1381ھ بمطابق 1962ء میں حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں ایک عظیم کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مختلف ممالک کے ممتاز علما و مفکرین شریک ہوئے، اور اس کانفرنس کے نتیجے میں 18 مئی 1962ء کو رابطہ عالمِ اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ قیام میں سعودی عرب کے مفتیِ اعظم شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ، پاکستان کے مفتی محمد شفیع، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور دیگر ممالک کے اکابر علما کی کوششیں شامل تھیں، جس سے آغاز ہی سے بین المسالک اور بین الاقوامی قبولیت حاصل ہوئی۔

مقاصد و بنیادی خدمات

رابطہ کے بنیادی مقاصد میں اسلام کی صحیح تعلیمات کی اشاعت، امت کے درمیان اتحاد و یکجہتی کا فروغ، مسلم اقلیتوں کے دینی و تعلیمی مسائل کا حل، مساجد اور اسلامی مراکز کی تعمیر و آبادکاری، اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا علمی جواب اور ضرورت مند مسلمانوں کی امداد شامل ہیں۔ رابطہ نے دنیا کے مختلف ممالک میں دفاتر قائم کیے، قرآن مجید کے تراجم اور اسلامی لٹریچر متعدد زبانوں میں شائع کیا، ائمہ و دعاۃ کی تربیت کے ادارے چلائے اور قدرتی آفات کے موقع پر امدادی کارروائیاں بھی انجام دیں۔ بعد کے ادوار میں رابطہ نے بین المذاہب مکالمے اور امن کے فروغ کو بھی اپنی ترجیحات میں شامل کیا اور مختلف مذاہب کے قائدین کے ساتھ مشترکہ اعلامیے جاری کیے۔ رابطہ کو اقوامِ متحدہ کی اقتصادی و سماجی کونسل میں مشاورتی حیثیت بھی حاصل ہے، جس سے اسے عالمی سطح پر مسلمانوں کے مسائل پیش کرنے کا موقع ملتا ہے۔

مجلسِ تاسیسی (کانسٹی ٹیونٹ کونسل)

رابطہ کا سب سے بڑا اور اعلیٰ ترین بورڈ اس کی مجلسِ تاسیسی ہے، جسے تاسیسی کونسل بھی کہا جاتا ہے۔ اس مجلس میں دنیا بھر سے منتخب ممتاز علما، مفکرین اور مسلم تنظیموں کے نمائندے شامل ہوتے ہیں، جن کی تعداد عموماً سو سے ڈیڑھ سو کے لگ بھگ رہتی ہے۔ ارکان کا تعلق مختلف ممالک اور تمام بڑے فقہی مکاتب سے ہوتا ہے تاکہ مجلس پوری امت کی نمائندہ بن سکے۔ مجلسِ تاسیسی رابطہ کی عمومی پالیسی وضع کرتی ہے، بجٹ کی منظوری دیتی ہے، سیکرٹری جنرل کے کام کی نگرانی کرتی ہے اور امت کو درپیش اہم مسائل پر قراردادیں منظور کرتی ہے۔ اس مجلس کے اجلاس مکہ مکرمہ میں منعقد ہوتے ہیں۔ اب تک مجلس کے ذریعے رابطہ نے کئی تاریخی فیصلے کیے، مثلاً مسلم اقلیتوں کے لیے فقہی رہنمائی کے اصول، اسلاموفوبیا کے خلاف حکمتِ عملی اور بین المذاہب مکالمے کی پالیسی۔ چونکہ اس مجلس کے ارکان حکومتوں کے بجائے علمی و عوامی حلقوں سے آتے ہیں، اس لیے اس کی قراردادوں میں عوامی امنگوں کی جھلک نسبتاً زیادہ نظر آتی ہے۔

مجلسِ اعلیٰ برائے مساجد اور فقہی کونسل

رابطہ کے اہم بورڈز میں عالمی مجلسِ اعلیٰ برائے مساجد بھی شامل ہے، جو 1975ء میں قائم ہوئی۔ اس کونسل کا کام دنیا بھر میں مساجد کی تعمیر، مرمت اور آبادکاری میں مدد دینا، ائمہ کی تربیت کرنا اور مساجد کو دعوت و تعلیم کا مرکز بنانا ہے۔ غیر مسلم ممالک میں جہاں مسلمانوں کے پاس عبادت گاہیں نہیں ہوتیں، وہاں یہ کونسل مقامی تنظیموں کے تعاون سے مساجد کے قیام میں کردار ادا کرتی ہے۔ دوسرا اہم بورڈ فقہی کونسل یعنی المجمع الفقہی الاسلامی ہے جو 1977ء میں قائم ہوا۔ اس میں مختلف مکاتب کے فقہا جدید مسائل پر غور کر کے فتاویٰ و قراردادیں صادر کرتے ہیں، مثلاً بینکاری، طب، خاندانی امور اور مسلم اقلیتوں کے مسائل۔ اس کونسل کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے فیصلے اجتماعی اجتہاد کی صورت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ رابطہ کے تحت عالمی تنظیم برائے تحفیظِ قرآن، مکہ میں قائم داعیوں کی تربیت کا ادارہ اور امدادی تنظیم بھی کام کرتی رہی ہے، جو زلزلہ، سیلاب اور جنگ زدہ علاقوں میں خوراک، ادویات اور رہائش کی فراہمی میں حصہ لیتی ہے۔

جنرل سیکرٹریٹ اور دیگر شعبے

رابطہ کا انتظامی مرکز اس کا جنرل سیکرٹریٹ ہے جو مکہ مکرمہ میں واقع ہے اور جس کی سربراہی سیکرٹری جنرل کرتے ہیں۔ سیکرٹریٹ مجلسِ تاسیسی کے فیصلوں پر عمل درآمد کراتا ہے، دنیا بھر کے دفاتر سے رابطہ رکھتا ہے اور اشاعتی و تعلیمی پروگرام چلاتا ہے۔ رابطہ کے نمایاں سیکرٹری جنرلز میں ڈاکٹر عمر عبداللہ نصیف اور ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی شامل رہے ہیں، جب کہ موجودہ دور میں ڈاکٹر محمد بن عبدالکریم العیسیٰ کی قیادت میں رابطہ نے بین المذاہب ہم آہنگی، امن کانفرنسوں اور اسلام کی درست تصویر پیش کرنے پر خصوصی توجہ دی ہے، جس کی ایک مثال مکہ کا اعلامیہ اور مختلف مذاہب کے قائدین کے ساتھ مشترکہ دستاویزات ہیں۔ رابطہ ایک سہ ماہی و ماہانہ رسالہ اور عربی و انگریزی زبانوں میں جرائد بھی شائع کرتا ہے۔ اس کے ماتحت قائم بین الاقوامی اسلامی امدادی تنظیم نے بوسنیا، کشمیر، فلسطین، افغانستان اور افریقہ کے کئی ممالک میں یتیم خانے، اسپتال اور کنویں جیسے منصوبے مکمل کیے۔ اس تنظیم کا ڈھانچہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک غیر سرکاری ادارہ بھی منظم بورڈ اور صحیح پالیسی کے ذریعے عالمی سطح پر کام کر سکتا ہے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ رابطہ عالمِ اسلامی 1962ء میں اس تاریخی ضرورت کے تحت وجود میں آیا کہ امت کو حکومتوں سے ہٹ کر ایک علمی، دعوتی اور عوامی پلیٹ فارم میسر ہو۔ اس کی مجلسِ تاسیسی اس کی پالیسی ساز قوت ہے، مجلسِ اعلیٰ برائے مساجد مساجد کی خدمت کرتی ہے، فقہی کونسل جدید مسائل میں رہنمائی دیتی ہے اور جنرل سیکرٹریٹ ان سب کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ چھ دہائیوں میں رابطہ نے مسلم اقلیتوں کی دینی زندگی، مساجد کی تعمیر، لٹریچر کی اشاعت اور امدادی کاموں میں جو خدمات انجام دیں، وہ عہدِ جدید کے اسلامی اداروں میں اسے ممتاز مقام دیتی ہیں۔ البتہ اس پر یہ تنقید بھی ہوتی رہی ہے کہ اس کی مالی اور تنظیمی سرپرستی زیادہ تر ایک ہی ملک سے جڑی رہی ہے، اس لیے اس کی نمائندگی کو مزید وسیع بنانا وقت کی ضرورت ہے۔ مجموعی طور پر رابطہ امت کی اس کوشش کی علامت ہے کہ جدید دنیا میں دینی خدمت کے لیے منظم، بورڈز پر مبنی ادارے ناگزیر ہیں۔

سوال نمبر 4: عالمِ اسلامی کانفرنس اور مؤتمر الاسلامی کا تعارف اور اس کے مقاصد (20 نمبر)

سوال نمبر 4: عالمِ اسلامی کانفرنس اور مؤتمر الاسلامی کا تعارف اور اس کے مقاصد تحریر کریں۔

تعارف

جدید دور میں جب امتِ مسلمہ سیاسی طور پر بکھر چکی تھی اور خلافت کا مرکزی ادارہ بھی ختم ہو چکا تھا، تو اہلِ فکر نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کا حل کسی ایک ملک کے پاس نہیں بلکہ مشترکہ مشاورت اور اجتماع میں ہے۔ اسی احساس نے عالمِ اسلامی کانفرنس اور مؤتمر الاسلامی جیسے اجتماعات و اداروں کو جنم دیا۔ عالمِ اسلامی کانفرنس سے مراد وہ بین الاقوامی اجتماعات ہیں جن میں مختلف ممالک کے علما، حکمران اور مفکرینِ امت کے مسائل پر غور کے لیے اکٹھے ہوئے، جب کہ مؤتمر الاسلامی، یعنی ورلڈ مسلم کانگریس، انہی کوششوں سے پیدا ہونے والی قدیم ترین عالمی مسلم تنظیم ہے جس نے کانفرنسوں کو مستقل ادارے کی شکل دی۔ درج ذیل جواب میں ان دونوں کا تعارف اور مقاصد تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں۔

عالمِ اسلامی کانفرنسوں کا تاریخی پس منظر

عالمی اسلامی کانفرنسوں کا سلسلہ 1926ء سے جڑا ہوا ہے۔ خلافت کے خاتمے کے بعد 1926ء میں مکہ مکرمہ میں حج کے موقع پر پہلی موتمرِ عالمِ اسلامی منعقد ہوئی، جس میں حجاز کے انتظام، حرمین کی خدمت اور امت کے عمومی حالات پر غور ہوا۔ اسی سال قاہرہ میں خلافت کے مسئلے پر بھی کانفرنس ہوئی۔ 1931ء میں یروشلم میں منعقد ہونے والی عالمی اسلامی کانفرنس تاریخی اہمیت رکھتی ہے، جس کی صدارت مفتیِ اعظم فلسطین حاجی امین الحسینی نے کی اور برصغیر سے مولانا شوکت علی جیسے رہنما شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں مسجدِ اقصیٰ اور فلسطین کے تحفظ، یہودی آبادکاری کے خطرات اور امت کے اتحاد پر قراردادیں منظور ہوئیں اور یہیں سے مؤتمر الاسلامی کی مستقل تنظیم کی بنیاد مضبوط ہوئی۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہ سلسلہ مزید آگے بڑھا: 1949ء اور 1951ء میں کراچی میں عالمی اسلامی کانفرنسیں ہوئیں جن میں نئے آزاد مسلم ممالک کے

درمیان تعاون پر زور دیا گیا۔ 1969ء میں مسجدِ اقصیٰ کو آگ لگانے کے واقعے کے بعد رباط میں اسلامی سربراہی کانفرنس ہوئی جس نے او آئی سی کو جنم دیا، گویا کانفرنسوں کا یہ سلسلہ بالآخر ایک مستقل بین الحکومتی تنظیم میں ڈھل گیا۔

مؤتمر الاسلامی (ورلڈ مسلم کانگریس) کا تعارف

مؤتمر الاسلامی، جسے ورلڈ مسلم کانگریس بھی کہا جاتا ہے، دنیا کی قدیم ترین بین الاقوامی مسلم غیر سرکاری تنظیموں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی جڑیں 1926ء کی مکہ کانفرنس اور 1931ء کی یروشلم کانفرنس سے ملتی ہیں، اور 1949ء تا 1951ء کے کراچی اجتماعات کے بعد اس کا مرکزی دفتر کراچی میں قائم ہوا، جہاں یہ آج بھی قائم ہے۔ اس تنظیم کو اقوامِ متحدہ میں مشاورتی حیثیت حاصل ہے اور یونیسکو سمیت کئی عالمی فورموں پر یہ مسلمانوں کی نمائندگی کرتی رہی ہے۔ اس کے نمایاں قائدین میں مفتی امین الحسینی اور پاکستان سے تعلق رکھنے والے سفارت کار و مفکر شامل رہے ہیں، جنہوں نے مسئلہ فلسطین اور مسئلہ کشمیر کو عالمی فورموں پر اجاگر کرنے میں کردار ادا کیا۔ مؤتمر الاسلامی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حکومتوں کے بجائے عوامی و علمی سطح پر کام کرتی ہے: کانفرنسیں منعقد کرنا، قراردادیں عالمی اداروں تک پہنچانا، مسلم اقلیتوں کے مسائل اٹھانا اور بین المذاہب مکالمے میں شریک ہونا اس کے دائرہ کار میں شامل ہے۔ اس کا ایک تعلیمی و فلاحی پہلو بھی ہے جس کے تحت یہ اسلامی ثقافت اور تعلیم کے فروغ کے پروگراموں میں حصہ لیتی ہے۔

مقاصد: اتحادِ امت اور مشترکہ آواز

عالمِ اسلامی کانفرنسوں اور مؤتمر الاسلامی کا پہلا اور بنیادی مقصد امت کا اتحاد ہے۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو ایک امت قرار دیا اور باہمی اختلاف سے روکا ہے، مگر جدید دور میں جغرافیائی، لسانی اور سیاسی تقسیم نے اس اتحاد کو کمزور کر دیا تھا۔ کانفرنسوں کا مقصد یہ تھا کہ مختلف ممالک کے اہلِ علم و قیادت ایک جگہ بیٹھ کر مشترکہ مسائل پر ایک رائے قائم کریں۔ دوسرا مقصد مسلمانوں کے اجتماعی مسائل، خصوصاً فلسطین، کشمیر اور مسلم اقلیتوں پر ظلم، کو دنیا کے سامنے مشترکہ آواز میں پیش کرنا تھا، کیوں کہ اکیلی آواز عالمی

سیاست میں دب جاتی ہے مگر درجنوں ممالک کی مشترکہ قرارداد اثر رکھتی ہے۔ تیسرا مقصد اسلامی شعائر و مقدسات کا تحفظ تھا، بالخصوص حرمین شریفین اور مسجدِ اقصیٰ کی خدمت و حفاظت۔ چوتھا مقصد نو آزاد مسلم ممالک کے درمیان سیاسی، معاشی اور ثقافتی تعاون بڑھانا تھا تاکہ وہ استعماری دور کی پسماندگی سے نکل سکیں۔

مقاصد: علمی، دعوتی اور تہذیبی پہلو

ان اجتماعات کے مقاصد صرف سیاسی نہیں تھے بلکہ علمی و تہذیبی بھی تھے۔ اسلام کی صحیح تعلیمات کی اشاعت، مغربی پروپیگنڈے کا علمی جواب، اسلامی تاریخ و ثقافت کا احیا اور نوجوان نسل کو اپنے ورثے سے جوڑنا بھی ان کانفرنسوں کے ایجنڈے میں شامل رہا۔ مسلم ممالک کے درمیان طلبہ، اساتذہ اور کتابوں کے تبادلے کی تجاویز بھی انہی فورموں پر پیش ہوئیں۔ اس کے علاوہ ایک اہم مقصد یہ تھا کہ مسلم دنیا کے مسائل کا حل باہر کے اداروں کے بجائے اپنے پلیٹ فارم سے تلاش کیا جائے، یعنی امت میں خود اعتمادی پیدا ہو۔ مؤتمر الاسلامی نے خاص طور پر غیر سرکاری سطح پر یہ خدمت انجام دی کہ حکومتوں کے بدلتے تعلقات سے قطع نظر علماء و مفکرین کا رابطہ قائم رہے۔ ان کانفرنسوں نے مسلم صحافت، عالمی اسلامی اخبارات و رسائل اور بین الاقوامی اسلامی کانفرنسوں کے باقاعدہ سلسلے کو بھی تقویت دی، جس سے امت کے اجتماعی شعور کو نئی زندگی ملی۔

اثرات و اہمیت

ان کانفرنسوں اور مؤتمر الاسلامی کے اثرات دور رس ثابت ہوئے۔ انہی اجتماعات کی فضا نے او آئی سی جیسی بڑی تنظیم کے قیام کی راہ ہموار کی، رابطہ عالمِ اسلامی اور اسلامی ترقیاتی بینک جیسے اداروں کے خیالات بھی انہی فورموں پر پروان چڑھے۔ مسئلہ فلسطین کو بین الاقوامی مسئلے کے طور پر زندہ رکھنے میں ان قراردادوں کا بڑا حصہ ہے۔ البتہ انصاف کا تقاضا ہے کہ یہ بھی کہا جائے کہ ان اجتماعات کی قرار دادوں پر عمل درآمد اکثر کمزور رہا؛ فیصلے زیادہ اور عملی اقدامات کم ہوئے، فنڈز کی کمی اور رکن حلقوں کے داخلی اختلافات بھی رکاوٹ بنے۔ اس کے باوجود تاریخی اعتبار سے ان کی اہمیت مسلم ہے، کیوں کہ انہوں نے اس دور میں امت کو اجتماعیت کا تصور دیا جب اس کے پاس کوئی عالمی ادارہ موجود نہیں تھا۔ آج بھی جب امت کو مشترکہ مسائل درپیش ہوں تو انہی روایات کی طرف دیکھا جاتا ہے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ عالمِ اسلامی کانفرنسیں اور مؤتمر الاسلامی جدید دور میں امت کی اجتماعی بیداری کی اولین کوششیں تھیں۔ 1926ء کی مکہ کانفرنس سے لے کر 1931ء کی یروشلم کانفرنس اور کراچی کے اجتماعات تک، ان کا بنیادی پیغام ایک ہی تھا: امت کے مسائل مشترکہ ہیں اس لیے ان کا حل بھی مشترکہ ہو گا۔ ان کے مقاصد میں اتحادِ امت، مقدسات کا تحفظ، مظلوم مسلمانوں کی حمایت، مسلم ممالک کا باہمی تعاون اور اسلامی تہذیب کا احیا شامل تھا۔ مؤتمر الاسلامی نے ان مقاصد کو مستقل تنظیم کی شکل دی اور کراچی سے دنیا بھر میں یہ آواز پہنچائی۔ اگرچہ عمل درآمد کے میدان میں خامیاں رہ گئیں، مگر ان میں بننے والی تقریباً تمام عالمی اسلامی تنظیموں کی فکری بنیاد یہی کانفرنسیں ہیں، اس لیے عہدِ جدید کے اسلامی اداروں کے مطالعے کا آغاز انہی سے ہونا چاہیے۔

سوال نمبر 5: ایسکو (IESCO) کے ذیلی شعبہ جات پر تفصیلی مضمون (20 نمبر)

سوال نمبر 5: ایسکو (IESCO) کے ذیلی شعبہ جات کے بارے میں تفصیلی مضمون قلمبند کریں۔

تعارف

سوال میں مذکور ایسکو سے مراد وہ عالمی اسلامی تنظیم ہے جسے انگریزی میں Islamic Educational, Scientific and Cultural Organization کہا جاتا ہے، جو پہلے آئیسیسکو (ISESCO) کے نام سے معروف تھی اور 2020ء میں اس کا نام اسلامی عالمی تعلیمی، سائنسی و ثقافتی تنظیم (ICESCO) رکھا گیا۔ یہ او آئی سی کا خصوصی ذیلی ادارہ ہے جس کا صدر دفتر مراکش کے شہر رباط میں ہے۔ اس کا قیام او آئی سی کے فیصلے کے نتیجے میں 1979ء میں عمل میں آیا اور اس کا آئین 1982ء میں نافذ ہوا۔ اس تنظیم کا میدان سیاست یا معیشت نہیں بلکہ تعلیم، سائنس اور ثقافت ہے، یعنی امت کی فکری و تہذیبی تعمیر۔ اپنے وسیع مقاصد کی تکمیل کے لیے ایسکو نے اپنے صدر دفتر میں کئی ڈائریکٹوریٹ، مراکز اور شعبہ جات قائم کر رکھے ہیں اور رکن ممالک میں اس کے علاقائی دفاتر بھی کام کرتے ہیں۔ اس مضمون میں ان ذیلی شعبہ جات کا تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

عمومی ڈھانچہ: جنرل کانفرنس، ایگزیکٹو کونسل اور ڈائریکٹوریٹ جنرل

ایسکو کے ذیلی شعبوں کو سمجھنے سے پہلے اس کا عمومی ڈھانچہ سمجھنا ضروری ہے۔ اس کا اعلیٰ ترین ادارہ جنرل کانفرنس ہے جس میں تمام رکن ممالک کے وزرائے تعلیم شریک ہوتے ہیں اور عمومی پالیسی کی منظوری دیتے ہیں۔ اس کے بعد ایگزیکٹو کونسل ہے جو منتخب رکن ممالک پر مشتمل ہوتی ہے اور سالانہ بجٹ و پروگراموں کی نگرانی کرتی ہے۔ اصل انتظامی مشینری ڈائریکٹوریٹ جنرل ہے جس کی سربراہی ڈائریکٹر جنرل کرتے ہیں؛ ماضی کے نمایاں ڈائریکٹر جنرلز میں ڈاکٹر عبدالعزیز بن عثمان التویجری شامل ہیں جب کہ 2019ء سے ڈاکٹر سالم بن محمد المالک اس منصب پر فائز ہیں۔ ڈائریکٹوریٹ جنرل کے ماتحت کئی شعبہ جات آتے ہیں جن کا ذکر آگے کیا جا رہا ہے: تعلیم کا ڈائریکٹوریٹ، سائنس و ٹیکنالوجی کا ڈائریکٹوریٹ، ثقافت کا ڈائریکٹوریٹ، بیرونی تعلقات و تعاون کا ڈائریکٹوریٹ، اور کئی خصوصی مراکز۔ یہ تقسیم اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ تنظیم نے اپنے تین بنیادی میدانوں کو باقاعدہ انتظامی شعبوں میں ڈھالا ہے۔

ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن (شعبہ تعلیم)

ایسکو کا سب سے اہم شعبہ تعلیم کا ڈائریکٹوریٹ ہے۔ اس شعبے کا کام رکن ممالک میں تعلیمی پالیسیوں کی اصلاح میں مشورہ دینا، نصابِ تعلیم کو اسلامی اقدار اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں مدد دینا، اساتذہ کی تربیت کے پروگرام چلانا اور شرح خواندگی بڑھانے کی مہموں میں تعاون کرنا ہے۔ عربی زبان کی تعلیم اس شعبے کی خصوصی ترجیح ہے، کیوں کہ عربی قرآن کی زبان ہونے کے ناتے امت کو جوڑنے والا ذریعہ ہے؛ اسی لیے غیر عرب ممالک میں عربی اساتذہ کی تربیت اور عربی زبان کے مراکز کے قیام میں یہ شعبہ مدد دیتا ہے۔ خواتین کی تعلیم، دیہی علاقوں کی تعلیم اور جنگ زدہ ممالک میں تعلیمی بحالی بھی اس کے پروگراموں میں شامل ہے۔ یہ شعبہ تعلیمی موضوعات پر کانفرنسیں اور ورکشاپس منعقد کرتا ہے جن میں رکن ممالک کے ماہرین اپنے تجربات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اس شعبے کی کارکردگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ کئی افریقی مسلم ممالک میں اسکولوں کی تعمیر، نصابی کتابوں کی فراہمی اور اساتذہ کی تربیت کے منصوبے اسی کے ذریعے مکمل ہوئے۔

ڈائریکٹوریٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی (شعبہ سائنس)

دوسرا بڑا شعبہ سائنس و ٹیکنالوجی کا ڈائریکٹوریٹ ہے۔ اس کا مقصد رکن ممالک کے درمیان سائنسی تعاون بڑھانا، جامعات و تحقیقی اداروں کو باہم جوڑنا اور سائنس دانوں کے تبادلے کی راہ ہموار کرنا ہے۔ یہ شعبہ ماحولیات، بی ٹے رسائل، قابلِ تجدید توانائی، صحت اور زرعی تحقیق جیسے موضوعات پر مشترکہ پروگرام چلاتا ہے اور نوجوان سائنس دانوں کے لیے انعامات و اسکالرشپ کا اہتمام کرتا ہے۔ اس شعبے کے تحت سائنسی تحقیق کے فروغ کا مرکز بھی کام کرتا ہے جو تحقیقی منصوبوں کی نشاندہی اور مالکاری میں مدد دیتا ہے۔ ایسکو نے بعض رکن ممالک میں سائنس اکیڈمیوں اور سائنسی پارکوں کے قیام میں بھی تکنیکی مشورے فراہم کیے ہیں۔ اس شعبے کی اہمیت اس تناظر میں سمجھی جا سکتی ہے کہ مسلم دنیا سائنسی میدان میں مغرب سے بہت پیچھے ہے اور اس خلا کو پر کرنے کے لیے مشترکہ ادارہ جاتی کوشش ناگزیر ہے؛ یہ شعبہ اسی کوشش کی عملی شکل ہے، اگرچہ اس کے وسائل اس کی ضرورتوں کے مقابلے میں محدود ہیں۔

ڈائریکٹوریٹ آف کلچر (شعبہ ثقافت) اور ورثے کے مراکز

تیسرا بڑا شعبہ ثقافت کا ڈائریکٹوریٹ ہے، جس کا کام اسلامی تہذیب و ثقافت کا تحفظ اور فروغ ہے۔ دنیا بھر میں پھیلے اسلامی تاریخی ورثے، مثلاً تاریخی مساجد، مدارس، قلعے، مخطوطات اور اسلامی فنون، کے اندراج، حفاظت اور مرمت کے منصوبے اسی شعبے کے تحت چلتے ہیں۔ یہ شعبہ ہر سال رکن ممالک کے شہروں کو اسلامی ثقافت کا دارالحکومت قرار دینے کے پروگرام کی نگرانی بھی کرتا ہے، جس کے تحت منتخب شہر میں سال بھر ثقافتی سرگرمیاں ہوتی ہیں؛ پاکستان سمیت کئی ممالک کے شہر اس اعزاز سے مستفید ہو چکے ہیں۔ اسلامی خطاطی، فنِ تعمیر اور ادب کے فروغ، ثقافتی میلوں اور نمائشوں کا انعقاد اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کی کانفرنسیں بھی اسی شعبے کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔ یروشلم اور دیگر مقبوضہ علاقوں کے اسلامی ورثے کے تحفظ پر رپورٹیں تیار کرنا بھی اس شعبے کا خاص کام ہے۔ اس کے علاوہ ایسکو کے بعض خصوصی مراکز، جیسے انسانی علوم و مکالمے کا مرکز، بھی اسی ثقافتی میدان سے جڑے ہوئے ہیں۔

بیرونی تعلقات، انتظامی شعبے اور علاقائی دفاتر

ان تین بنیادی ڈائریکٹوریٹس کے علاوہ ایسکو میں بیرونی تعلقات و بین الاقوامی تعاون کا ڈائریکٹوریٹ ہے جو یونیسکو، یونیسیف، عالمی بینک اور دیگر عالمی اداروں کے ساتھ شراکت داری قائم کرتا ہے تاکہ رکن ممالک کے تعلیمی و ثقافتی منصوبوں کے لیے وسائل اور مہارت حاصل کی جا سکے۔ انتظامی و مالیاتی امور کا شعبہ بجٹ، عملے اور اندرونی نظم و نسق کو سنبھالتا ہے، جب کہ اطلاعات و نشریات کا شعبہ تنظیم کے جرائد، ویب سائٹ اور میڈیا رابطوں کی ذمہ داری نبھاتا ہے۔ ایسکو نے مختلف خطوں میں علاقائی دفاتر اور مراکز بھی قائم کیے ہیں، جن میں متحدہ عرب امارات، ایران، آذربائیجان اور افریقہ کے بعض ممالک میں قائم مراکز شامل ہیں؛ یہ دفاتر مقامی سطح پر پروگراموں کی نگرانی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایسکو نے دنیا کی مختلف جامعات میں اپنے نام سے کرسیاں قائم کی ہیں تاکہ اسلامی مطالعات اور تہذیبی مکالمے پر تحقیق ہو۔ ان شعبوں کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسکو صرف کانفرنس کرنے والا ادارہ نہیں بلکہ مستقل انتظامی ڈھانچے کے ساتھ کام کرنے والی بین الاقوامی تنظیم ہے۔

جدول: ایسکو کے اہم ذیلی شعبہ جات

دائرہ کار	شعبہ
تعلیمی پالیسی، نصاب، اساتذہ کی تربیت، عربی زبان کا فروغ	ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن
سائنسی تعاون، تحقیق، ماحولیات، توانائی و صحت کے پروگرام	ڈائریکٹوریٹ آف سائنس
اسلامی ورثے کا تحفظ، ثقافتی دارالحکومت پروگرام، فنون	ڈائریکٹوریٹ آف کلچر
یونیسکو و عالمی اداروں سے شراکت، وسائل کی فراہمی	بیرونی تعلقات و تعاون
خطوں میں پروگراموں کا نفاذ اور مقامی نگرانی	علاقائی دفاتر و مراکز

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ ایسکو عہدِ جدید کے اسلامی اداروں میں اس لیے منفرد ہے کہ اس کا میدان فوج، سیاست یا خالص معیشت نہیں بلکہ ذہن و تہذیب کی تعمیر ہے۔ اس کے ذیلی شعبہ جات — تعلیم، سائنس اور ثقافت کے ڈائریکٹوریٹ، بیرونی تعاون کا شعبہ، خصوصی مراکز اور علاقائی دفاتر — اس کے وسیع مقاصد کو عملی شکل دیتے ہیں۔ امن و ترقی کی اصل بنیاد تعلیم اور ثقافتی خود شناسی ہوتی ہے، اور یہی وہ محاذ ہے جہاں ایسکو کام کر رہا ہے۔ اگرچہ رکن ممالک کی ناکافی مالی معاونت اور بعض پروگراموں کے محدود اثرات اس کی کمزوریاں ہیں، اس کے باوجود اسلامی ورثے کے تحفظ، عربی زبان کے فروغ اور [illegible] کے میدان میں اس کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ طالب علم کے لیے اس ادارے کا مطالعہ یہ سبق دیتا ہے کہ جدید امت کے ادارے صرف حکومتوں کے سیاسی اجتماع نہیں، ان میں علم و تہذیب کے وقف ادارے بھی اتنے ہی ضروری ہیں۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com